OPEN ACCESS
ABHATH
(Research Journal of Islamic Studies)
Published by: *Department of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore.*

ISSN (Print) : 2519-7932
ISSN (Online) : 2521-067X
October-December-2024
Vol: 9, Issue: 36
Email:abhaath@lgu.edu.pk
OJS:https://ojs.lgu.edu.pk/index.php/abhath/index

قصص القرآن میں منہجِ دعوت اور اس کی عصری معنویت

The Methodology of Preaching in Qurānic Stories and Its Contemporary Relevance

Abdul Sattar
Ph.D Scholar The Islamia University of Bahawalpur, Bahawalpur
balochsb4@gmail.com
Munir Azher
Assistant Professor, Department of Islamic Studies
The Islamia University of Bahawalpur, Sub Campus Bahawalnagar
munirazher@iub.edu.pk

DOI: https://doi.org/10.54692/abh.2024.09361993

Abstract:

The stories found in the Holy Qurʾān are not merely accounts of past events or traditions but are ā well-structured methodology for the wisdom and insight of preaching the message of faith. These narratives provide not only a profound awareness of Allah's power and wisdom but also serve as practical lessons on how the prophets conveyed God's message to people, endured challenges, and made efforts to propagate the divine message on a global scale.

In the Holy Qurʾān, the stories of the prophets are not merely accounts of past events but guide a wise and effective methodology for preaching (manhaj-e-dā'wah). The principles and methods of dā'wah embedded in these stories serve as guidance for people of every era, and their relevance in today's world becomes even more evident. These stories reveal that Allah instructed each prophet to adopt preaching methods suited to their respective communities' intellectual, social, and cultural levels. This demonstrates the wisdom that dā'wah is not confined to a single style but can adapt according to varying circumstances and individuals, highlighting the importance of flexibility and insight in delivering the message of faith.

Keywords: Stories, Holy Qurʾān, narratives, God's message.

قرآن مجید میں قصص کو ایک خاص انداز میں بیان کیا گیا ہے تاکہ انسانوں کو ان سبق آموز کہانیوں سے فائدہ حاصل ہو سکے، قصص عام طور پر مخصوص حقائق اور انسانوں کی کارکردگی کو نشان دیتی ہیں، یہ قصص اخلاقی سبقوں،

تاریخی واقعات، اور دینی معاملات پر مشتمل ہوتے ہیں، ان کے ذریعے انسانوں کو اچھے اخلاقی قیمتوں کا عالم دیا جاتا ہے اور دینی یقینوں کو مزید مضبوط کیا جاتا ہے۔

قصص کا لفظ عربی زبان میں تین طرح سے مستعمل ہے، اس لفظ کو "قَصَّہ "ق پر زبر کے ساتھ، "قِصَہ "ق پر زیر کے ساتھ اور "قُصَّہ "ق پر پیش کے ساتھ تینوں طرح سے پڑھا جاتا ہے۔

القَصَّہ (ق پر زبر کے ساتھ) کی وضاحت

ابن فارس لکھتے ہیں:

قصص (قاف پر فتحہ کے ساتھ) ایک شیء کے تتبّع اور پیچھے پڑے رہنا اور تگ ودو کرنے کے ہیں۔[1]

قاضی زین العابدین لکھتے ہیں:

قَصَص کے معنی نقشِ قدم پر چلنا، حال بیان کرنا کے ہیں، یہ لفظ باب نصر سے مصدر ہے اور بمعنی مفعول ہے۔[2]

شیخ احمد رضا لکھتے ہیں:

اَلقَصَص المصدرالاسم من القصة الخبرالمقصوص منبت الشعرمن الصدر، المصدر من كل شی او راسه ، الاخبار المتابعة۔[3]

قَصَص کا لفظ مصدر ہے، اس کا اسم قصہ آتا ہے، جس کے معنی بیان کی گئی بات، سینے پر بال اگنے کی جگہ اور بات بیان کرنے کے ہیں، کسی چیز کے سینے اور سر کے لیے بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔

اَلقِصَّہ (ق پر زیر کے ساتھ) کی وضاحت

علامہ غیاث الدین لکھتے ہیں:

قصص بكسرالقاف وفتح صاد مهمله اول جمع ۔[4]

---

(1) ابن فارس، احمد، معجم مقاییس اللغۃ، (دار لفکر، بیروت، 1399ھ)، ج: 5، ص: 11

Ibn-e-Faras, Ahmad, Mujam Maqayees-ul-lughah,(Dār-ul-Fikr Beirūt, 1399 H), V 5, P: 11

(2) قاضی، زین العابدین، قاموس القرآن، (دار الاشاعت، کراچی، 1978ء)، ص:421

Qazī, Zain ul Abīdeen, Qamus ul Qurān,(Dārul Ashat,Karāchi,1978), P: 421

(3) احمد رضا، معجم متن اللغۃ، (دار مکتبۃ الحیات، بیروت، 1379ھ)، ج:4، ص:580

Ahmad Raza, Mujam Matan ul Lughah,(Dār Maktbah Alhayāt, Beirūt,1379 H),V4,P: 580

(4) غیاث الدین، غیاث اللغات، (ایچ ایم سعید، کراچی، س-ن)، ص:390

قِصَص کا لفظ جو قاف کے کسرہ اور پہلے صاد کے فتح کے ساتھ یہ لفظ قصہ کی جمع ہے۔

لوئیس معلوف یسوعی لکھتے ہیں:

القصة ج قِصَص والاقصوصة ج اَقَاصِيصُ الحديث الامرالحادث الشان۔(5)

قصہ اسم نوع ہے اور اس کی جمع قصص اور اَقَاصِيصُ آتی ہے اور اس سے مراد ایسا واقعہ ہوتا ہے جو سبق آموز اور نصیحت والا ہو۔

اَلقُصَّہ (ق پر پیش کے ساتھ) کی وضاحت

یہ لفظ اَلقُصَّہ (ق پر پیش کے ساتھ) بھی پڑھا جاتا ہے اس صورت میں اس کے معنی گھوڑے کی پیشانی کے بال، گندھے ہوئے گیسو اور سر کے وہ بال مراد ہوتے ہیں جو پیشانی پر موجود ہوتے ہیں۔

امام ابوداؤد روایت کرتے ہیں:

« احْلِقُوا هَذَيْنِ أَوْ قُصُّوهُمَا فَإِنَّ هَذَا زِيُّ الْيَهُودِ »(6)

اس حدیث میں مذکور لفظ "قُصَّتَانِ" تثنیہ استعمال ہوا ہے، جس کی واحد قُصَّہ آتی ہے، جس کے معنی آگے کی جانب پیشانی پر پڑے ہوئے سر کے بال مراد ہوتے ہیں۔

جب خبر، واقعہ، کہانی، داستان، حکایت، قضیہ، حالت، ذکر، بیان، گفتگو بولا جائے تو اس پر لفظ قِصَّہ صادق آتا ہے، اور عرف میں بھی یہی لفظ مستعمل ہوتا ہے، جب ماضی میں مذکور کسی واقعہ و داستان کو بیان کرنا ہو تو اس کے لیے یہی لفظ بولا جاتا ہے۔

قرآن کریم کے اسالیبِ دعوت اس کی عصری معنویت

یوں ایک طرف تو قصص و واقعات کی اہمیت اجاگر ہوتی ہے کہ ان قصص کو بیان کرنے کا مقصد دوسرے لوگوں

Ghiyas ud Din, Ghīyas ul Lughāt, (H.M Saeed, Karāchi, N Y), P: 390

(5) یسوعی، لوئیس معلوف، المنجد، (دار المشرق، بیروت، 1986ء)، ص: 231

Yasūee, Loees Mālūf, Al Munjamid, (Dār-ul-Mashriq, Beirūt, 1986), P: 231

(6) ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، (دار الکتاب العربی، بیروت، س-ن)، کتاب الترجل، باب ماجاء فی الرخصۃ، ج:4، ص: 134، رقم الحدیث: 4199

Abu Dāud, Suleman bin Atath, Alsunan, (Dār-ul-Kitab al Arbi, Beirut, N Y), Kitab al Trajul , Bab m ja fir rukhsah, V 4, P: 134, Ḥadīth: 4199

تک حق تعالیٰ کا پیغام پوری لگن اور جستجو سے پہنچانا ہے اور دوسری طرف ان قصص و واقعات سے موعظت و نصیحت حاصل کرتے ہوئے خود عمل پیرا ہونے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے دیگر افراد کو بھی اس دائرہ کار میں لانا ہے، اور اس امت کو خیر امت اور وسط امت کہنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر کاربند رہتی ہے۔

قصہ حضرت نوح

حضرت آدم علیہ السلام کو جب زمین پر خلیفۃ اللہ کا لقب دے کر مبعوث فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ان کی نسل چلتی رہی، حضرت آدم اور نوح کے درمیان جو صدیاں تھیں ان میں لوگ توحید پر کاربند رہے بعد میں کچھ ایسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن سے بتوں کی پوجا کی جانے لگی، صحیح البخاری میں مذکور ہے:

"صارت الأوثان التي كانت في قوم نوح في العرب بعد أما ود كانت لكلب بدومة الجندل وأما سواع كانت لهذيل وأما يغوث فكانت لمراد ثم لبني غطيف بالجوف عند سبأ وأما يعوق فكانت لهمدان وأما نسر فكانت لحمير لآل ذي الكلاع أسماء رجال صالحين من قوم نوح فلما هلكوا أوحى الشيطان إلى قومهم أن انصبوا إلى مجالسهم التي كانوا يجلسون أنصابا وسموها بأسمائهم ففعلوا فلم تعبد حتى إذا هلك أولئك وتنسخ العلم عبدت"[7]

ہر نبی کو ہی اپنی امت سے دلی لگاؤ ہوا کرتا تھا ان کی ایک ہی خواہش ہوا کرتی تھی کہ وہ اپنی قوم کو راہِ راست پر لا سکیں، اس ضمن میں وہ اپنے اقوام کو مختلف طریقوں سے دعوت دیا کرتے تھے کہ وہ ان کی دعوت کو قبول کرتے ہوئے ہلاکت و بربادی سے اپنے آپ کو بچا سکیں، یونہی حضرت آدم علیہ السلام کو بھی اپنی امت سے بے حد محبت تھی وہ اپنی قوم کو بار بار اس بات کی تنبیہ کیا کرتے تھے کہ ان کو ڈر ہے کہیں تم کسی بڑے عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔

شیطان کے تدریجی چال کے ہتھکنڈے

شیطان اپنے ہتھکنڈوں کو بیک وقت ہی استعمال نہیں کرتا بلکہ وہ تدریجاً ان مراحل کو عبور کرتا ہے، جیسا کہ اس نے قومِ نوح کو تدریجی مراحل سے گزار کر شرک کے گڑھوں میں پھینکنے میں کامیاب ہو گیا، عصرِ حاضر میں بھی شیطان کا یہی آلہ کار ہے وہ لوگوں کے دلوں میں آہستہ آہستہ کسی شے کی محبت ڈالتا ہے پھر ان کی ذریت میں اس شے کی مزید بڑھوتری کرتا جاتا ہے، قصہ نوح میں یہ واضح سبق ہے کہ شیطان کے ان ہتھکنڈوں سے نہ صرف خود کو محفوظ

---

(7) بخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح، (دار ابن کثیر بیروت، ۱۴۰۷ھ) کتاب التفسیر، باب نوح، ج:4، ص:1873، رقم الحدیث:4636
Būkhārī, Muhmmad Bin Ismaeel, Saḥīḥ ul Būkhārī, (Dār ibn e kathir, Beirūt, 1407H), Kitab ut tafsir, Bab Nūh, V 4, P: 1873, Ḥadīth: 4636

رکھا جائے بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کے دعوتی اسلوب کو اپناتے ہوئے اپنے بیگانے تمام کو راہِ راست پر لانے کی تگ ودو کی جائے۔

علماء کے فقدان کے اثرات

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں جب تک صالح علماء کرام موجود ہے شیطان ان کو ور غلانے میں کامیاب نہ ہو سکا اس کے داؤ صرف عامۃ الناس ہی ہوتے مگر جب یہ علماء کرام فوت ہونے لگے تو صالح لوگوں کا فقدان ہونے لگا، شیطان نے ان سرپرستوں کو ور غلانا شروع کر دیا، آہستہ آہستہ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا چلا گیا، عصرِ حاضر میں علماء کی ایک کثیر جماعت موجود ہے مگر سب منتشر ہی نظر آتے ہیں، شیطان نے ان کے ذہنوں کو اپنے قابو میں کر لیا ہے، کثیر علماء میں نیک اور صالح علماء کی کمی نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے شیطان اپنے مقاصد میں کامیاب ہوتا چلا جا رہا ہے۔

طبقاتی کشمکش اور دعوتِ توحید

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں امراء و فقراء و مساکین سبھی شامل تھے، مگر آپ کو قوم کے امراء یعنی سرداران قوم کی مخالفت کا بھرپور سامنا رہا، قوم کے فقراء و مساکین نے جہاں آپ کی دعوت پر لبیک کہا وہیں سردارانِ قوم نے آپ کا تمسخر اڑایا، کسی ایک سردار نے بھی آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا بلکہ آپ کے ساتھ ساتھ آپ کے اصحاب پر طعن و تشنیع شروع کر دی، قرآن مجید میں ارشاد ہے:

"قَالُوا أَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْأَرْذَلُونَ قَالَ وَمَا عِلْمِي بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ إِنْ حِسَابُهُمْ إِلَّا عَلَى رَبِّي لَوْ تَشْعُرُونَ وَمَا أَنَا بِطَارِدِ الْمُؤْمِنِينَ"(8)

اگر اس صورتحال کا عصرِ حاضر میں تجزیہ کیا جائے تو ابھی بھی ایسے لوگ ہیں جو مختلف طبقات میں بٹے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے اور عامۃ الناس کے درمیان ایک خلیج برقرار رکھی ہوئی ہے، ایک طرف تو بعض اہل علم کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ بے علم لوگوں کے سامنے اپنے علم کا بڑی شد و مد کے ساتھ اظہار کرتے ہیں ان پر اپنا فخر و غرور ثابت کرنے کے لیے اپنی تاویلیں گھڑتے ہیں اور دوسری طرف وہ لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں خزانہ ہوتا ہے وہ اپنے ماتحتوں کے حقوق ناجائز غصب کرتے ہیں، اپنے مزدوروں، کارکنوں کو کسی خاطر میں نہیں لاتے ہر وقت ان کا استحصال کرتے رہتے ہیں، اسی

---

(8) الشعراء:26: 114- 111

Al-Qur'ān, 26: 111- 114

طرح بڑے عہدوں پر فائز لوگ خود کوئی کوئی الگ ہی مخلوق سمجھتے ہیں، اپنے سے کمتر کو حقیر گردانتے ہیں، ان کو اپنے پاس بھی نہیں پھٹکنے دیتے، یہ سارے معیارات آپ کی قوم کے زعما کی عکاسی کرتے ہیں۔
قرآن مجید کے مطابق اللہ کے ہاں عزت کا معیار تقویٰ ہے، اسی اصول کو معاشرے کے تمام افراد کو اپنانا ہوگا تبھی اس طبقاتی کشمکش کے چنگل سے خود کو نکالا جاسکے گا، چاہے وہ علماء ہوں، خطباء ہوں، واعظین ہوں، سرمایہ کار ہوں، حکومتی مشینری میں بیٹھے افراد ہوں، عدالتی نظام سے منسلک قاضی ہوں، خواہ شعبہ ہائے زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو اسی اصول کے تحت ہی معاشرے کو درست بنیادوں پر استوار کیا جاسکتا ہے۔

قصہ حضرت ہود

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَإِلَى عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ"[(9)]

ابن منظور حضرت ہود علیہ السلام کی دعوتِ تبلیغ کے متعلق لکھتے ہیں:

حضرت ہود نے اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلایا اور ہدایت کی کہ وہ اللہ کو تسلیم کریں اور اس کی مخلوق کو ایذا رسانی سے باز آجائیں۔ آپ نے انہیں صرف اسی بات کی تلقین کی، لیکن وہ مسلسل جھٹلاتے رہے، بلکہ وہ اس کے جواب میں کہتے: کیا کوئی ہم سے زیادہ قوت والا ہے؟[(10)]

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ[(11)]

سید قطب شہید اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ روایات اور ان کے موجودہ حالات کی ذلت آمیز غلامی کی ایک تصویر ہے۔ انسان کے دل و دماغ حالات کے اسیر ہیں۔ یہ ایسی غلامی اور قید ہے جس میں انسان سے اس کے اعلیٰ ترین خصائص گم ہو جاتے ہیں۔ وہ آزادانہ غور و فکر

---

(9) الاعراف: 7: 65

Al-Qur'ān, 7: 65

(10) ابن منظور، محمد بن مکرم، مختصر تاریخ دمشق، (دار الفکر، بیروت، 1411ھ)، ج: 27، ص: 146

Ibn e Manzor, Muhammad bin Mukram, Muktasir Tārikh Damishq, (Dār ul Fikr Beirūt, 1411 H), V 27, P: 146

(11) الاعراف: 7: 70

Al-Qur'ān, 7: 70

سے محروم ہو جاتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ بھی آزادی رائے اور آزادی اعتقاد کے حق سے محروم ہو گئے۔ نظر آتا ہے کہ یہ لوگ اپنی عادات ورسومات کے غلام ہیں۔ تقلید آباء ان پر حکمران ہے اور ذاتی خواہشات اور شہوات نفسانیہ کے وہ اسیر ہیں اور ان لوگوں نے اپنے اوپر علم و معرفت اور روشنی کے تمام دروازے بند کر دیئے ہیں۔"[12]

قصہ حضرت صالح اور اس کی عصری معنویت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

أَتَعْلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهِ[13]

حضرت صالح علیہ السلام بھی مایوس نہ ہوئے وہ برابر اپنا پیغام لوگوں کو سناتے اور ان کو شرک سے منع کرتے رہے، آپ نے ان کے کھیتوں مجلسوں اور کام کرنے کی جو وہاں پر جا کر انہیں تبلیغ کی ان کو برے انجام سے ڈرایا انہیں حق اور باطل کا فرق بتایا اپنی بات کو دلیلوں سے سمجھایا اور انہیں بتایا کہ یہ زمین اور آسمان اللہ نے بنائے ہیں زمین پر اللہ نے انہیں آباد کیا ہے آپ نے ان سے کہا کہ وہ گناہوں سے باز آجائیں اور توبہ کریں۔[14]

حضرت صالح علیہ السلام کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھی سابقہ انبیاء کرام کی طرح ایک وقت تک دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے مگر ان کی بار بار کی سرکشی پر ان سے ناامید ہو گئے اور انہیں خدا کے عذاب سے ڈرانے لگ گئے ،موجودہ دو میں بھی کچھ ایسی ہی کیفیت ہے کہ جب سرکشوں کو راہِ راست کی طرف لانے کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ طرح طرح کی تاویلیں کرتے ہیں مگر ایک مبلغ کی ذمہ داری تو صرف حق کا پیغام پہنچا دینا ہے پھر انہیں ہدایت دینا یا نہ دینا اللہ تعالیٰ کی مرضی و منشاء ہے البتہ وہ دعوت کے وہ تمام پہلو اپنائے جن کو حضرت صالح علیہ السلام نے اپنایا۔

قصہ حضرت ابراہیم

حضرت ابراہیم کا قصہ قرآن پاک کی مختلف آیات میں مذکور ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کو مختلف آزمائشوں میں مبتلا کیا گیا مگر آپ ہر ایک آزمائش میں سرخرو ٹھہرے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

([12]) سید قطب شہید، تفسیر فی ظلال القرآن، (ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، 1997ء)، ج:2، ص:1245

Syed Qutb Shaheed, Tafseer Zilal ul Qurʾān, (Adarh Manshorat Islami, Lahore1997 ،), V 2, P: 1245

([13]) الاعراف:7: 75

Al-Qur'ān, 7: 75

([14]) فرزانہ محمود، واقعاتِ انبیائے کرام، (ایجوکیشن ٹریڈرز، لاہور، 2008ء)، ص:35

Farzana Mehmood, Waqiyat Anbīyā Karām, (Education Tradors, Lahore, 2008), P: 35

"وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ آزَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا آلِهَةً إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ"[15]

آپ کی قوم بھی بت پرستی میں مبتلا تھی اور حضرت ابراہیم انہیں بت پرستی سے باز رہنے کی تبلیغ کیا کرتے تھے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت پرست کے پیروکاروں سے پہلا مکالمہ تھا یہ پہلی دعوت عمومی دعوت تھی کہ یہ بت تو کسی نفع و نقصان کے مالک نہ ہیں اس لیے ان کی پوجا کر کے تم لوگ کھلی گمراہی میں ڈوب چکے ہو، ایک مبلغ جب دعوتِ دین دیتا ہے تو وہ جس طرح وہ دوسرے لوگوں کو دین کی دعوت دیتا ہے ویسے ہی سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور اپنے اعزاء واقربا کو دین کی دعوت دے کہ یہی سنتِ ابراہیمی ہے۔ سید قطب شہید لکھتے ہیں:

"آج اگر مومنین کا تعلق اپنے دشمنوں سے کٹ گیا تو کیا بات ہے۔ وہ ایک ایسے نظریہ کی ایک شاخ ہے جس کی نہایت ہی سایہ دار شاخیں تاریخ کی فضا میں، دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ وہ درخت ہے جس کا پودا حضرت ابراہیم نے لگایا۔"[16]

قوم کے ساتھ دعوتی مکالمہ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ قَالَ أَتُحَاجُّونِّي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ"[17]

حضرت ابراہیم کی قوم کا بتوں کی پوجا کرنا اس لیے نہ تھا کہ وہ انہیں کوئی فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ وہ تو ان کی پوجا اس لیے کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے آباؤاجداد کو اسی طرح کرتے ہوئے پایا تھا سو وہ بھی اسی راستے پر چل نکلے، یہی وجہ کہ اسلام اندھی تقلید سے باز رہنے کا حکم دیتا ہے بلکہ وہ اچھائی کو اچھائی اور برائی کو برائی کہنے کا حکم دیتا ہے اس سلسلے میں سبھی کو مساوی سمجھا جاتا ہے اگر کوئی بڑا مفکر، عالم دین یا کوئی ان کا باپ دادا کسی ایسے کام کی طرف بلاتا ہے جس کی اسلام میں گنجائش نہیں تو وہ انہیں نہ صرف ان کی تقلید کرنے سے رک جانے کا حکم دیتا ہے بلکہ ان کی اصلاح کرنے کا بھی حکم دیتا ہے جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو بت پرستی میں پایا تو ان کی تقلید سے انکار کرنے کے ساتھ

---

(15) الانعام: 6: 74

Al-Qur'ān, 6: 74

(16) تفسیر فی ظلال القرآن، ج: 8، ص: 62

Tafseer Zilal ul Qurʾān, V 8, P: 62

(17) الانعام: 6: 80

Al-Qur'ān, 6: 80

ساتھ ان کی اصلاح کا سامان بھی کرنے لگے۔

بت شکنی

فَجَعَلَهُمْ جُذَاذًا إِلَّا كَبِيرًا لَهُمْ لَعَلَّهُمْ إِلَيْهِ يَرْجِعُونَ[18]

قصہ ابراہیم میں یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ عصر حاضر میں جب دعوت و تبلیغ کا کام کیا جائے تو مخالفین کو انہیں کے اعتراضات میں جواب دیا جائے کہ ان کے پاس کمزور دلائل ہوتے ہیں تو سب سے پہلا جواب ان کے اعتراض کو انہیں پر وارد کرنا ہے جس کا جواب وہ کبھی نہ دے پائیں گے۔

آتشِ نمرود

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ"[19]

نمرود نے آپ کے لیے آگ کو بھڑکایا جس میں آپ کا کڑا امتحان تھا جس میں آپ سرخرو ہوئے اور نعمتِ خداوندی سے آگ کو گلزار ہونا پڑا، اس میں عصرِ حاضر کے مبلغین کے لیے سبق ہے کہ جابر سے جابر سلطان کے سامنے بھی کلمہ حق ادائیگی سے نہ گھبرائیں، ان کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو خدا کی طرف سے آزمائش سمجھیں، اور کبھی ان کے باطل عقائد پر سمجھوتہ نہ کریں۔

قصہ حضرت لوط

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَلُوطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ وَأَنْتُمْ تُبْصِرُونَ أَئِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ"[20]

حضرت ہود علیہ السلام بڑی محنت اور جان فشانی سے شب و روز تبلیغ فرماتے رہے اور قوم کو شرک سے منع کرتا رہے توحید کی تلقین و تبلیغ کا درس دیتے رہے مگر بد قسمت قوم اپنی بد قسمتی پر اڑی رہی اور شرک اور بد پرستی سے باز نہ

---

(18) الانبیاء:21: 58
Al-Qur'ān, 21: 58

(19) الانبیاء:21: 69
Al-Qur'ān, 21: 69

(20) النمل:27: 55 -54
Al-Qur'ān, 27: 54- 55

آئی اس سلسلے میں مفسرین کا بیانہ ہے کہ قوم عاد تین سال تک خشک سالی اور امساک باراں کے مصائب میں گرفتار رہی۔[21]

حضرت لوط کی قوم بھی حضرت نوح کی قوم کی طرح اپنی ہٹ دھرمی اور مشرکانہ عقائد پر قائم رہی، حضرت لوط نے ان کو ڈراتے بھی رہے، ان کو مشرکانہ عقائد سے باز رہنے کی بار بار تلقین کی مگر وہ اس سے کسی صورت دستبردار نہ ہوئے بلکہ وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے، دعوت دینے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی دعوت کے پیغام کی حجت تمام کرے ، معترضین کے اعتراضات واشکالات کو حتی الامکان دور کرے۔

قصہ حضرت لقمان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ[22]

اور جب لقمان نے اپنے بیٹے کو کہا اس حال میں کہ وہ اسے وعظ کر رہا تھا۔

حضرت لقمان علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو دی جانے والی دعوتِ اصلاح کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

عقائد:

اللہ تعالی کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے سختی سے روک دیا یہاں تک کہ اس کو ظلم قرار دیا، یہاں ظلم سے مراد ہے ناانصافی، شرک دراصل ظلم کا نام ہے یعنی کسی چیز کو اس کے مخصوص مقام سے ہٹادینا۔

عمل:

آپ نے اپنے بیٹے کو دوسری نصیحت اصلاحِ اعمال کی کی، اس لیے نماز کو اچھی طرح اس کے تمام فرائض ، سنن و مستحبات کا خیال رکھتے ہوئے اس کے اوقات میں ادا کرنا۔

اصلاح خلق:

آپ نے تیسری نصیحت اپنے بیٹے کو یہ کی کہ وہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا پابند رہے ، یہی وہ نکتہ ہے

([21]) خان، امیر علی، طبقات الانبیاء، (محسن پبلشنگ کارپوریشن، کوئٹہ، س-ن)، ص: 68

Khan, Ameer Alī, Tabqat ul Anbīyā, (Mohsin Publishing Corporation, Quetta, N Y), P: 68

([22]) لقمان: 31: 13

Al-Qur'ān, 31: 13

جس کی بناء پر امتِ محمدیہ کو خیر امت کے لقب سے نوازا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"من رأى منكم منكرا فليغيره بيده فإن لم يستطع فبلسانه فإن لم يستطع فبقلبه وذلك أضعف الإيمان"[23]

آدابِ معاشرت:

آپ نے اسے چوتھی نصیحت یہ کی کہ جب تم لوگوں سے ملاقات کرو تو تکبر و غرور سے ان سے منہ مت موڑو۔ آدابِ معاشرت کی دوسری صورت یہ بیان کی کہ زمین پر اکڑ کر مت چلو، اللہ تعالیٰ اس غرور کو پسند نہیں فرماتے ،ارشادِ باری تعالیٰ ہے: لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا[24]

تیسری نصیحت یہ فرمائی کہ بولتے وقت زور سے مت چیخو، حکمت اور نرمی کے ساتھ گفتگو کرو اس لیے کہ چیخنا اگر اچھا ہوتا تو گدھے کی آواز سب سے اچھی ہوتی حالانکہ اس کی آواز سب سے بری ہے۔

قصہ حضرت یوسف

ارشادِ ربانی ہے: "يَا صَاحِبَيِ السِّجْنِ أَأَرْبَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيْرٌ أَمِ اللَّهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ"[25]

آپ قید خانے میں پہنچے تو وہاں بھی آپ نے اپنی تبلیغ کا کام جاری رکھا، وہاں کے قیدیوں سے ملاقات کرتے انہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دعوت دیتے تھے ،اللہ کی وحدانیت کے متعلق دلائل دیئے، عصرِ حاضر میں بھی کئی مسلم مفکرین کو دعوت و تبلیغ میں مشکلات کا سامنا رہتا ہے اور بعض اوقات انہیں جیل کی ہوا بھی کھانی پڑتی ہے، قصہ یوسف کی مثال کی روشنی میں معلوم ہوتا ہے کہ دعوت کا کام ہر جگہ جاری رہتا ہے، قید خانہ میں عموماً جرائم پیشہ افراد موجود ہوتے ہیں، ان کی اصلاح کے لیے مبلغین حضرت یوسف کا کردار ادا کر سکتے ہیں۔

قصہ حضرت موسیٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَى وَهَارُونَ إِلَى فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ بِآيَاتِنَا فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا

([23]) صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون النھی عن المنکر۔۔۔، رقم الحدیث: 186

Saḥīḥ Muslim, Kitab ul Eman, Bab Kon Nahi a nil Mukar, Hādīth: 186

([24]) لقمان: 31: 18

Al-Qur'ān, 31: 18

([25]) یوسف: 12: 39

Al-Qur'ān, 12: 39

قَوْمًا مُجْرِمِينَ"[26]

فرعون کے کفر و شرک، تمرد و سرکشی کے پیش نظر قبول حق کی امید نہ تھی اللہ تعالیٰ کے ہاں کمینہ اور ارزل انسان ہے اس کے پاس اشرف اور افضل انسان بھیجا اور اسے نرم ورقت آمیز گفتگو کرنے کی تاکید کی ممکن ہے وہ سوچ سمجھ کر راہ راست پر آجائے۔[27]

"قَالَ لَا تَخَافَا إِنَّنِي مَعَكُمَا أَسْمَعُ وَأَرَى"[28]

مولانا شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں:

"یعنی جو باتیں تمہارے اور اس کے درمیان ہوں گی یا جو معاملات پیش آئیں گے وہ سب میں سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں میں کسی وقت تم سے جدا نہیں، میری حمایت و نصرت تمہارے ساتھ ہے۔ گھبرانے اور فکر کرنے کی ضرورت نہیں، وادیوں دریاؤں اور پہاڑوں کے بیچ میں سے زمین پر راہیں نکال دیں جن پر چل کر ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچ سکتے ہو، پانی کے ذریعہ سے طرح طرح کی سبزیاں، غلے اور پھل پھول پیدا کر دیئے۔"[29]

"فَأَلْقَى مُوسَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ"[30]

یعنی جادوگروں نے اپنی شعبدہ بازی سے جو کچھ بنایا تھا۔ ان کی رسیاں اور ڈنڈے سانپوں کی طرح رینگتے دوڑتے لوگوں کے خیال میں نظر آنے لگے تھے، ان سب کو موسیٰ کی لاٹھی کا سانپ نگلنے لگا۔[31]

جب آپ نے فرعون سے مقابلہ شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں بہت زیادہ عنایتیں تھیں اس لیے کہ وہ

---

(26) یونس:10: 75

Al-Qur'ān, 10: 75

(27) ابن کثیر، عماد الدین، قصص الانبیاء، مترجم: ہداللہ ندوی، (مکتبہ قدوسیہ، لاہور، 2010ء)، ص:301

Ibn e Kathīr, Imad ud Din, Qasas ul Anbīyā, Mutrajam: Hadūllah Nadvi, (Maktbah Qūddūsīya, Lahore, 2010) P: 301

(28) طہ:20: 46

Al-Qur'ān, 20: 46

(29) عثمانی، تفسیر عثمانی، شبیر احمد، (دار الاشاعت کراچی، س-ن)، ج:2، ص:75

Usmanī, Tafsir Usmanī, Shabir Ahmad, (Darul Ashat Karāchi, N Y), Vol 2, P: 75

(30) الشعراء؛26: 45

Al-Qur'ān,: 26: 45

(31) پانی پتی، ثناءاللہ، تفسیر مظہری، (ایم سعید کمپنی کراچی، س-ن)، ج:8، ص:519

Panī Pattī, Sanaullah, Tafsir Mazharī, (M.S Company Karāchi, N Y), Vol 8, P: 519

اللہ تعالیٰ کے پیارے اور پسندیدہ تھے اور اس کے کچھ نشانیاں بھی تھیں جیسے فرعون کے ساتھ اس کے حواریوں پر اللہ کی لعنت کا ہونا۔[32]

قصہ حضرت موسیٰ کے اس حصہ میں مبلغین کے لیے یہ سبق ہے کہ جب ان کا سامنا باطل قوتوں سے ہو تو وہ اپنے آپ کو بے بس پیش کرنے کی بجائے وہ ان کا مقابلہ کریں ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت طلب کریں، اپنے پاس موجود سرمایہ کو استعمال کرتے ہوئے آخر تک مقابلہ کریں یہاں تک حضرت موسیٰ کی لاٹھی کی طرح وہ ان باطل قوتوں کو اپنے قدموں تلے روندنے میں کامیاب ہو سکیں۔

قصہ حضرت عیسیٰ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ"[33]

در حقیقت آپ، حضرت موسیٰ اور نبی کریم ﷺ اور دیگر انبیاء کے اغراض و مقاصد میں کچھ زیادہ امتیاز نہیں ہے، بلکہ تمام انبیاء کے اصول یکساں ہیں صرف فروعات الگ الگ ہیں۔ انجیل میں حضرت عیسیٰ کے مقاصد کو جس طرح قرآن مجید میں پیش کیا گیا ہے ویسے نہیں بیان کیا گیا، البتہ اشارات کی صورت میں بنیادی نکات پائے جاتے ہیں، جیسا کہ آپ صرف اللہ کی بندگی پر کاربند تھے، جو آپ کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے:

"تو خداوند اپنے خدا کو ہی سجدہ کر، اسی کی عبادت کر۔" [34]

محض یہی نہیں کہ آپ اس کے قائل تھے، بلکہ آپ کی ساری تگ و دو کا مقصد یہی تھا کہ زمین پر خدا کے امر شرعی کی ایسے اطاعت ہو جیسے آسمان پر اس کے امر تکوینی کی اطاعت کی جاتی ہے۔ اسی طرح ان کے متعدد اقوال سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اپنے آپ کو نبی اور آسمانی بادشاہت کے نمائندے کی حیثیت سے پیش کرتے تھے اور اسی حیثیت سے لوگوں کو اپنی اطاعت کی طرف دعوت دیتے تھے۔

---

[32] دہلوی، شاہ ولی اللہ، قصص النبیین کے رموز اور ان کی حکمتیں، مترجم: غلام مصطفیٰ قاسمی، (طیب پبلشرز، لاہور، 2021ء) ص:99
Dehlvī, Shah Walī Ullah, Qisas un Nabyeen k Ramuz aur un ki Hikmaten, Mutrajam: Ghulam Mustafa Qasmī, (Tayyab Publishers Lahore, 2021), P: 99

[33] ال عمران:2: 51

Al-Qur'ān, 2: 51

[34] بائبل متی:۴:۱۱

Bible Mata: 41: 1

قصہ خاتم النبیین ﷺ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ[35]

اور اپنے نزدیکی قرابت داروں کو بھی ڈراؤ۔

مولانا مودودی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"خدا کے اس بے لاگ دین میں جس طرح نبی کی ذات کے لیے کوئی رعایت نہیں اسی طرح نبی کے خاندان اور اس کے قریب ترین عزیزوں کے لیے بھی کسی رعایت کی گنجائش نہیں ہے۔ یہاں جس کے ساتھ بھی کوئی معاملہ ہے اس کے اوصاف (Merits) کے لحاظ سے ہے۔ کسی کا نسب اور کسی کے ساتھ آدمی کا تعلق کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ گمراہی و بد عملی پر خدا کے عذاب کا خوف سب کے لیے یکساں ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ اور سب تو ان چیزوں پر پکڑے جائیں، مگر نبی کے رشتہ دار بچے رہ جائیں۔ اس لیے حکم ہوا کہ اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو بھی صاف صاف متنبہ کر دو۔ اگر وہ اپنا عقیدہ اور عمل درست نہ رکھیں گے تو یہ بات ان کے کسی کام نہ آسکے گی کہ وہ نبی کے رشتہ دار ہیں۔"[36]

دعوت دینے والے کی یہ بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ دعوت کا آغاز اپنے قریبی رشتہ داروں سے کرے، انہیں اللہ تعالیٰ کے پیغام سے آگاہ کرے ان میں پائی جانے والی اچھائیوں کو اجاگر کرے اور ان میں پائی جانے والی خرافات سے متنبہ کرے، ایسا نہ ہو کہ پوری دنیا کو دین کی دعوت دیتا رہے مگر خود اس کے گھر والے اس سے محروم رہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے اس کے رشتہ دار پکڑے نہیں جائیں گے بلکہ وہ اپنے اعمال کے خود ذمہ دار ہوں گے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کو دعوتِ دین کا حکم دیا۔

---

[35] الشعراء:26: 214

Al-Qur'ān, 26: 214

[36] مودودی، ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، (ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، س-ن)، ج:3، ص:541

Mūdūdi, Abul Ala, Tafhim ul Qurʾān, (Adar Tarjuman ul Qurʾān, Lahore, N Y), V 3, P: 541

مخالفین سے اعراض

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ"(37)

دعوتِ دین کوئی ایسا عمل نہیں ہے جس کو لوگوں سے چھپا کر کیا جائے بلکہ اس کی کھلم کھلا تشہیر ضروری ہے تاکہ اپنے اور پرائے سبھی تک دین کا پیغام پہنچ جائے، آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ کے ذمے کھلم کھلا دعوت دینا ہے اور مشرکین و کفار سے خود کو الگ کرنا ہے، عصرِ حاضر میں کھلم کھلا دعوت دینے کے مختلف ذرائع موجود ہیں، دعوت دینے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایسے پلیٹ فارم پر پیش کریں جس کی تشہیر پوری دنیا میں ہوتی ہو، جیسا کہ عصرِ حاضر میں میڈیا، ٹاک شوز، آڈیو، ویڈیوز، اخبارات وغیرہ کے ذریعے دعوتِ دین کی اعلانیہ تبلیغ کرنا آسان ہو گیا ہے۔

داعی کے ذمہ صرف دعوت دینا ہے

سورۃ القصص میں ہے:

إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ(39)(38)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے چاہنے یا نہ چاہنے سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ مبلغ کی ذمہ داری تو صرف حق بات کو پہنچا دینا ہے پھر اس کو ہدایت نہ دینا یا نہ دینا اس کے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ یہ تو خدا کے اختیار میں ہے کہ وہ سیدھے رستے پر چلائے یا گمراہ کر دے۔

---

(37) الحجر:15: 94

Al-Qur'ān, 15: 94

(38) القصص:28: 56

Al-Qur'ān, 28: 56

(39) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب ابی طالب کے انتقال کا وقت قریب پہنچا تو نبی کریم ﷺ وہاں پہنچے، ابو جہل اور ابو امیہ بھی پاس تھے، نبی کریم ﷺ نے اپنے چچا سے کہا: لا الہ الا اللہ کہہ لے میں اس سے تیرے لیے اللہ کی بارگاہ میں سفارش کروں گا، ابو جہل اور ابو امیہ نے کہا کے ابی طالب عبد المطلب کے دین سے روگردانی کرتا ہے، آپ ﷺ بار بار اپنے کلمات دہراتے رہے اور وہ بھی بار بار نہ پڑھنے کا کہتے رہے، آخر کار ابی طالب نے کہا میں عبد المطلب کے مذہب پر ہوں اور کلمہ نہ پڑھا جس سے آپ ﷺ کے دکھ ہوا جس کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔

خلاصہ بحث:

قرآن مجید میں جا بجا انبیاء کرام کے قصص کو تفصیلاً بیان فرمایا گیا ہے جن میں ان کے اندازِ تبلیغ پر بالخصوص روشنی ڈالی گئی ہے، قرآن کریم میں انبیاء کرام کے جو قصے بیان ہوئے ہیں ان میں بہت سے مشترک پہلو ہیں کہ انبیاء کرام کی دعوت وارشاد کا مقصد مختلف نہیں تھا بلکہ ان کا نقطہ اختتام ایک ہی تھا، ان کے ادوار مختلف ہونے کے سبب بعض پہلوؤں میں دعوت دینے کا طریقہ کار اگرچہ مختلف تھا مگر ان کا مقصد صرف ایک ہی تھا وہ دعوت الی اللہ تھا، ذیل میں قرآن مجید میں بیان کردہ انبیاء کی دعوت کے مشترکہ نکات یہ ہیں۔

- توحید
- ایمان بالآخرۃ
- تزکیہ نفس
- اصولِ دعوت

ان تمام تر پہلوؤں کا انبیاء کرام کی قصص سے متعلق آیات کا عصر حاضر کے حوالے سے تجزیہ پیش کیا گیا ہے، عصر حاضر میں ان تمام پہلوؤں کے حوالے سے ہدایت کا سامان موجود ہے۔

This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License